جناب عبدالسفیر حماد

قسط (۲)
آخری

حیاتِ خضر علیہ السلام

۷۔ امام محمد بن سید درویش فرماتے ہیں کہ قائلین حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔ البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ حضرت الیاس کے ساتھ ہر سال حج کے موقعہ پر ملاقات کرتے ہیں۔ لیکن اس کی سند درست نہیں۔ امام مناوی فرماتے ہیں کہ اس کی سند نہایت ہی کمزور ہے۔ امام ابن حجرؒ اور امام بخاریؒ کا قول ہے اسی طرح حضرت الیاسؑ کے متعلق جو مشہور ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ اور آپؐ سے مل کر کھانا کھایا۔ یہ بھی درست نہیں ہے۔ امام ذہبی نے یزید بن یزید کے حالات زندگی میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ خبر بھی بے سروپا اور جھوٹ کا پلندہ ہے[1]۔

اب ہم ان اغراض و مقاصد کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جن کے پیش نظر حیاتِ خضرؑ کا عقیدہ تراشا گیا ہے۔

۱۔ دراصل یہ لوگ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے خواہاں ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ باطنی پہلو اس کے ظاہر سے یکسر مختلف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی ظاہری پہلو کے پابند تھے۔ جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کو باطنی احکامات دیئے گئے تھے۔ اس لیے ظاہری لوگوں کو چاہیے کہ وہ اہل باطن کے اعمال و کردار پر کوئی حرف گیری نہ کریں۔ اور نہ ہی انھیں کوئی اعتراض کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ وگرنہ انھیں ایسے ہی حالات سے گزرنا ہوگا۔ جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام دوچار ہوئے۔

ارنولڈ نکلسن نامی ایک انگریز صوفیاء کے اس مخصوص فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتا

۱؎ اسنی المطالب ۲۹۶

ہے۔کہ وہ اہل حق ہیں کہ جن کی باطنی اصلاح کا اللہ تعالیٰ نے بیڑہ اُٹھایا ہے۔ان کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ بسااوقات ان کی روحانی کیفیت شریعت کے ظاہری پہلو کی مخالفت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔جیساکہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ سے آزادی کا یہ عذر لنگ نہایت ہی کمزور اور بے بنیاد ہے۔حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا۔وہ شریعت کے ظاہری تقاضوں کے عین مطابق تھا۔کیونکہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں نے جو امور سرانجام دیے ہیں، ان کی بنیاد اس علم الٰہی پر ہے جو آپ نہیں جانتے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم و فضل دیا ہے جس سے میں محروم ہوں۔اب ہماری شریعت سے متعلقہ علم تو قرآن اور کتبِ حدیث میں پھیلا ہوا ہے۔اور وہ وہی ہے جو پیغمبر علیہ السلام کو دیا گیا۔اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہمیں کہا گیا ہے۔شریعتِ مطہرہ سے آزاد ہونے والا یہ گروہ کیا اس سے نا علمی کا اعتراف کرتا ہے؟

دراصل یہ لوگ شریعت کو ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں تقسیم کرکے شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے خواہاں ہیں۔کبھی اپنی بدعلمی کو علم حقیقت کا رنگ دے لیتے ہیں جو شریعت کے سراسر خلاف اور منافی ہے۔چنانچہ ابن عجیبہ لکھتا ہے کہ علمِ حقیقت کی بنیاد حضرت علیہ السلام نے وحی اور الہام کے ذریعے رکھی ہے۔پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام شریعت کا علم لے کر آئے، جب اس کی بنیاد مضبوط ہو گئی تو علمِ حقیقت کا نزول ہوا۔اس کے مکلف تمام لوگ نہیں۔بلکہ خاص الخاص ہیں۔سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ظاہر کیا۔پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسن بصری نے اس علمِ حقیقت کو حاصل کیا۔[1]

[1] ایقاظ الہمم ج ۱ ص ۵

لازوال اور زندہ رہنے والی ہے[1]

ابن عربی لکھتا ہے۔ اہل شریعت ایک دوسرے سے بالواسطہ شریعت لیتے آئے ہیں۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اصل چشمہ سے دوری ہوتی جائے گی۔ اس کے برعکس علم حقیقت ہر دور میں بلا واسطہ اللہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے ان کے سینوں کو منور کر دیتا ہے۔ اس لیے اولیاء کرام کو علمائے شریعت پر فوقیت حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ صوفیاء لوگ حیات خضر علیہ السلام کے عقیدہ کے ذریعے شریعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا چاہتے ہیں: تاکہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں۔ اور انہیں کوئی بھی روکنے والا نہ ہو۔

۲۔ یہ صوفیاء حیات خضرؑ کی آڑ میں ایک اور عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ کہ معرفت کا منبع اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت یا انسانی عقل و فکر نہیں۔ بلکہ ایک خاص ذوق ہے جو ہر انسان کو نہیں ملتا۔ اسی ذوق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی صفات معلوم ہوتی ہیں۔ اور اسی سے اشیاء کی حقیقت سامنے آتی ہے اور ان کا اچھا اور برا پہلو معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی ذوق کسی چیز کے حق یا باطل ہونے کا فیصلہ کرتا ہے[2]

۳۔ قصہ خضر علیہ السلام سے یہ لوگ "کشف" کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جو ان کے نزدیک اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کا درجہ وحی الٰہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ ایک چھٹی حس ہے۔ جس کے ذریعے حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ حصول دین کی خاطر کوشش کرنے والے طلباء کو نہایت ہی نگاہ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حقیقت تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ مشہور ہے کہ کسی صوفی نے اپنے ایک مرید طالب علم کے پاس سیاہی کی دوات دیکھی تو اسے ڈانٹ کر کہا کہ اپنی شرمگاہ کو ڈھانپ۔ کیونکہ ان کے نزدیک طلب علم ایک گمراہی ہے اور علم ایک پردہ ہے جو حقیقت و معرفت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں حصول علم کی یہ دواتیں جن سے علم لکھا جاتا ہے، اسلام کے چراغ ہیں۔ اس قسم کے کشف و کرامات کے بے بنیاد ہونے کا سب سے بڑا ثبوت صوفیاء کا باہمی اختلاف ہے۔ مزید برآں یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ یہ امام غزالی جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ زبردست روحانی قوت کے مالک اور کشف و کرامات کے حامل تھے، اپنی کتاب احیاء العلوم میں بے شمار ضعیف حدیثیں لاتے ہیں۔ بلکہ بعض تو بالکل ناکارہ اور بناوٹی ہیں۔ اور ان

[1] الکواکب الدریہ ص ۲۴۶ [2] ہذہ ہی صوفیۃ ص ۱۲۱ اور ۲۲

پر کوئی جرح قدح نہیں کی۔

۴۔ اسی طرح صوفیاء کا یہ گروہ قصہ خضر علیہ السلام کی آڑ میں اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر قرآن و حدیث کی ظاہری نصوص کی ایسی بے بنیاد تاویلیں کرتا ہے جو شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف ہوتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ہر کلمہ اپنے اندر ایک باطنی معنی بھی رکھتا ہے جسے صرف خاص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ان معانی کا اُس وقت القاء ہوتا ہے جب وہ وجد و سرور کی حالت میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء اپنی مقصد براری کے لیے قرآن کو استعمال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تصوف ہی حقیقی علم ہے جو حضرت علیؓ کو حضرت علیہ السلام سے ورثہ میں ملا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیمات میں بہت اختلاف و تناقض ہے۔ عبادات اور مسائل علمیہ کا تو حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء کے کئی فرقے اور گروہ ہیں۔ جن کے افکار و نظریات میں بہت فرق اور تضاد ہے۔ اور نہ ہی ان کے مذہب کی حد بندی کی جا سکتی ہے۔ لفظ تصوف کی بناوٹ میں اختلاف ہی بتاتا ہے کہ یہ مذہب بے سروپا اور بے بنیاد ہے۔

اس قسم کی تاویلات کرنے والوں پر بعض علمائے اسلام نے سخت گرفت کی ہے۔ مثلاً امام زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میری کلام سے مراد ظاہری پہلو نہیں۔ بلکہ باطنی ہے۔ اس کی یہ بات قطعاً قبول نہ کی جائے۔ بلکہ اُس کے منہ پر ماری جائے۔ اور نہ ہی اس قسم کا انسان عزت و احترام کے لائق ہے۔

علامہ علاؤ الدین بن اسماعیل سے جب اس قسم کی بیہودہ باتوں کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم کسی معصوم شخصیت کے فرمودہ کی تاویل کرتے ہیں۔ تاکہ اُس کی بظاہر متضاد باتوں کو جمع کیا جا سکے۔ البتہ جو انسان معصوم نہیں۔ اس کے کلام کی تاویل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر وہ خلاف شرع ہے تو اُس کا مواخذہ ہوگا۔ اگر کوئی تاویل کرتا ہے۔ تو وہ بھی ہرگز قبول نہ کی جائے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ اگر کوئی کفر پر مبنی بات کرتا ہے تو اس کو قتل کرنا ہی بہتر ہے۔ اگر ایسی گفتگو کرتا ہے جو فہم و ادراک سے بالاتر ہے اُسے ذکر ہی نہ کیا جائے۔ اگر کسی کلام کا ظاہری مفہوم شریعت کے عین مخالف ہے اسے ٹھکرا دیا جائے۔ کیونکہ باطن کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور نہ ہی اسے کسی قاعدہ کلیہ کے ذریعہ ضبط کیا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق جذبات سے ہے۔ اور یہ مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ اسی باطن کی آڑ میں صوفیاء نے اسلام کی عمارت کو مسمار کرنے کی کوشش کی ہے۔

۵۔ خفیہ عدالت :

صوفیاء قصۂ خضر علیہ السلام سے اس نتیجہ پر بھی پہنچے ہیں کہ اس عالم رنگ و بو میں ایک خفیہ عدالت ہے۔ جس میں قطب اکبر یعنی خضر علیہ السلام کو بالادستی حاصل ہے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق تقدیریں بدلتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ معاون بھی ہوتے ہیں۔ جو اس عدالت عالیہ میں فیصلے کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ جو بھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اُسے کہیں بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں قدرت الٰہیہ بھی ہیچ اور بے بس ہے۔ دباغ نامی ایک شخص اس عدالت کی وضاحت ان الفاظ سے کرتا ہے۔ یہ عدالت غار حرا کے پاس ہے غوث اعظم غار کے باہر بیٹھا ہے۔ جس کے دائیں کندھے کی طرف مکہ معظمہ اور بائیں گھٹنے کے سامنے مدینہ منورہ ہے۔ چار قطب اس کے دائیں جانب جو تمام مالکی یعنی حضرت مالک بن انس کے مذہب پر ہیں۔ اور تین قطب اُس کے بائیں جانب ہیں۔ ان سے ایک حنبلی دوسرا شافعی اور تیسرا حنفی ہے۔ قاضی دیوان یعنی وکیل اس کے سامنے ہے اور غوث اعظم اس سے گفتگو کرتا ہے اور یہ سات قطب اپنے غوث کے فیصلہ پر عمل کرتے ہیں۔ اور پھر ہر قطب کے ماتحت ایک مخصوص گروہ ہے جو اس فیصلے کو عملی طور پر نافذ کرتا ہے۔ صوفیوں کی اس قسم کی ہرزہ سرائی کو ایک انگریز ادوارڈلن نے بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں (صوفیاء) کے نزدیک حضرت الیاسؑ اور عامۃ الناس کے نزدیک حضرت خضرؑ اپنے زمانہ کے قطب ہیں۔ اور ان کے ماتحت ایک عملہ کام کرتا ہے۔ اور یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت خضرؑ فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے چشمۂ آب حیات سے پانی پیا ہے۔ جس کی وجہ سے انھیں بقائے دوام حاصل ہے۔

عین ممکن ہے کہ ہم پر اعتراض کیا جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو کئی لوگوں نے دیکھا ہے اب ہم اس بات کو کیسے تسلیم کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے دیکھنے کا دعویٰ کرنا یا تو جھوٹ اور بہتان ہے۔ یا شیطانی عمل ہے۔ جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے خضر علیہ السلام کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں خضر علیہ السلام ہوں تاکہ صوفیاء اس کے پھندے میں پھنس جائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت عبدالقادر جیلانی پر رحم کریں۔ ایک مرتبہ ان کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی کہ آپ سے شرعی احکام ساقط ہو گئے ہیں۔ فوراً انھوں نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ شرعی احکام تو اللہ کے رسولؐ کو بھی معاف نہ تھے۔ اور میں ایک امتی ہوں مجھ سے کیوں کر معاف ہو سکتے ہیں؟ جو اس سلسلہ میں تفصیلی معلومات کا خواہاں ہے اُسے چاہیے۔

کہ "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" اور "قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ" کو زیرِ مطالعہ لائیے۔

کیا قصۂ خضر صوفیاء کے لیے حجت بن سکتا ہے؟

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کا خون کرنے والوں کے لیے یہ واقعہ کسی طرح بھی حجت نہیں بن سکتا۔

اولاً؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئے تھے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے ان کی اطاعت ضروری نہ تھی کیونکہ آپ کا دائرہ رسالت محدود تھا۔ اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو دیا تھا اسے میں نہیں جانتا اور جو علم اس کی طرف سے مجھے عطا ہوا ہے اس تک آپ کی رسائی نہیں۔"

البتہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپؐ کا حلقہ رسالت نہایت ہی وسیع ہے۔ لہٰذا کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ شریعت و حقیقت کا بہانہ بنا کر آپؐ کی اطاعت سے انکار کرے اور نہ ہی اس طرح شریعت مطہرہ کو ٹھکرانے کی گنجائش ہے۔ علمی وعملی دونوں پہلو برابر ہیں۔ کسی کو قطعاً کوئی حق نہیں کہ وہ ایسی بات کہے جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہی تھی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مبعوث ہی نہیں ہوئے تھے تاکہ انہیں ان کی اطاعت ضروری ہو۔

ثانیاً؛ حضرت خضر علیہ السلام کے اس واقعہ میں کوئی خلاف شرع بات نہیں بلکہ شریعت مطہرہ کے عین مطابق اور ایسا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ بشرطیکہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرح ان امور کے اسباب معلوم ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے واقعات کے اسباب و وجوہ بیان کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہیں درست قرار دیا اور تسلیم کر کے ان پر موافقت فرمائی اگر خلاف شرع ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی صورت میں بھی ان سے اتفاق نہ کرتے، کشتی والے واقعہ کو ہی لیجیے کہ اگر کسی کا مال بچانے کے لیے تھوڑا بہت نقصان ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ سارا مال ضائع ہونے سے بہتر ہے کہ تھوڑا بہت نقصان کر کے باقی ماندہ کو بچایا جائے۔ چرواہے کو اجازت ہے کہ اس بکری کو ذبح کر دے جس پر موت کا خطرہ ہو جیسا کہ عہد رسالت میں اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح بے گناہ اور

معصوم لڑکے کو قتل کرنے کا واقعہ ہے حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے والدین کے لیے وبال جان بن جائے گا۔ اس لیے اس کے قتل کرنے میں ہی عافیت تھی۔ اگر ابن عباس رضؓ نے قیدی لڑکوں کے متعلق فرمایا کہ اگر ان میں ایسی چیز معلوم ہو جو آئندہ کسی فتنہ کا پیش خیمہ بن سکتی ہے تو ان کا صفایا کر دیا جائے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم ہو گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قتل کرنے کی قطعاً اجازت نہ ہوتی۔ باقی رہا معاملہ دیوار بنانے کا تو یہ ایک نیکی کا کام ہے۔ اگرچہ اُجرت کی ضرورت تھی لیکن انھوں نے اس کارِ خیر کو فی سبیل اللہ سرانجام دیا کیونکہ وہ کام نیک لوگوں کے ساتھ تعاون کی ایک شکل تھی۔[۱]

امام برہان الدین بقاعی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت بنی اسرائیل تک محدود اور انہیں کے ساتھ مخصوص تھی پھر حضرت خضر علیہ السلام کے علم کی خبر بھی موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتائی گئی تھی اب کہاں ان صوفیوں کی بے سروپا باتیں اور کہاں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ۔ ان میں کوئی بھی مناسبت نہیں چہ جائیکہ ان کے لیے یہ واقعہ دلیل بن سکے بلکہ ایسا انسان تو گردن زدنی کے قابل ہے کیونکہ اس کی باتیں شریعت مطہرہ کی قطعی نصوص سے ٹکراتی ہیں خواہ ظاہری طور پر زہد و تقویٰ میں کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اُس دن بہت سے چہرے ڈرنے والے اور تھکے ماندے ہوں گے لیکن انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔"

اگر ایسے بدذات لوگوں سے کوئی خرق عادت کام سرزد ہوں تو وہ کرامات نہیں بلکہ وہ شیطانی فعل ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو انسان اللہ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں اور وہ نہایت ہی بُرا ساتھی ہے۔"

کہ شیطان اپنے دوستوں کو اِدھر اُدھر کی باتیں سکھلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کرتے رہیں۔ اگر کسی نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً وہ شرک کے گڑھے میں گر جائے گا۔[۲]

خلاصۂ کلام:

حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کوئی ایسی بات نہیں جسے دلیل بنا کر اس قسم کی بے

[۱] مجموعہ الرسائل والمسائل ص۶۲ ج ۲ [۲] تنبیہ الغبی للبقاعی

سر و پا باتیں کی جائیں یا غلط قسم کے مفروضے قائم کیے جائیں البتہ بعض روایات میں یہ ضرور آیا ہے کہ وہ ہر سال موسم حج میں حضرت الیاس علیہ السلام سے ملاقات کرتے ہیں۔ لیکن سند نہایت ہی کمزور ہے امام مناوی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے امام ابن حجرؒ اور علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "منکر" ہے اگر یہ مفروضہ درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام بھی زندہ ہیں، اب یک نہ شد دو شد والا معاملہ ہے جو بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی کے متعلق امام حاکم اور امام دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ان کا قد تین سو ہاتھ ہے اور وہ بادلوں میں بیٹھتے ہیں اور ایک مرتبہ ان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی ہوئی ہے اور آپؐ کے ساتھ مل کر کھانا بھی کھایا ہے اس روایت کو امام ذہبی نے یزید بن یزید ابہلوی کے حالات زندگی میں بیان کر کے فرمایا ہے کہ "ہذا خبر باطل" یہ روایت بے سر و پا اور سراپا جھوٹ ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ لیا ہے کہ اگر میرا آخر الزمان نبیؐ آپ کی موجودگی میں ظاہر ہو جائے تو اپنی نبوت ترک کر کے اس کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ ایمان لانا ہے۔" (آل عمران)

خضر علیہ السلام بھی نبی ہیں اگر نبی نہیں تو کسی نبی کے ماتحت ضرور ہیں، اگر وہ زندہ ہیں تو اس آیت کی رو سے پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے لیکن عہد رسالت میں ان کے موجود اور بقید حیات ہونے کے متعلق کوئی ثبوت نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور ان سے متعلق جو بے سر و پا روایات مشہور ہیں وہ بالکل باطل اور جھوٹ پر مبنی ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں خالص ایمان نصیب کرے اور شیطانی کاموں سے محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین!